احمد ندیم قاسمی

پاکستانی ثقافت

آج سے کوئی ایک برس پہلے ایک امریکی دانشور نے راولپنڈی کی ایک تقریب میں افریقی اور ایشیائی ممالک (بشمول پاکستان) کو خبردار کیا تھا کہ وہ اس وقت تک سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں آگے نہیں بڑھ سکتے' جب تک وہ ثقافت سے متعلق اپنے موجودہ تصورات کو ترک نہیں کر دیتے اور مغربی انداز نظر اختیار نہیں کرتے۔ اپنے اس خیال کو انہوں نے اس دلیل سے مستحکم کرنے کی کوشش کی کہ آپ مادی قدروں کو اہمیت دیئے بغیر مادے کی ترقی کے بارے میں سوچ ہی کیسے سکتے ہیں اور آج کی ترقی یافتگی اور پسماندگی کا اصل معیار یہ ہے کہ متعلقہ علاقے میں کتنی ترقی ہوئی ہے یا نہیں ہوئی ہے۔ اس تقریب میں راولپنڈی کے جو دانش ور موجود تھے انہوں نے امریکی دانش ور پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی اور انہیں واضح طور سے بتایا کہ سائنس اور ٹیکنالوجی ہمارے مذہبی عقائد سے متصادم نہیں ہوتے بلکہ ہمارے لیے تو ان علوم کا حصول مذہبی طور پر بھی ضروری ہے۔ پھر انہیں بتایا گیا کہ ماضی میں مسلمان سائنس دان پوری دنیا کے لیے مشعل راہ بنے تھے' مگر انہیں اپنے مذہبی عقائد اور ثقافتی تصورات سے دست کش ہونے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی تھی۔ راولپنڈی والوں نے تو اپنی غیرت ملی کا واضح ثبوت بہم پہنچایا۔ مگر حیرت ہے کہ ایک غیر ملکی دانشور ایک جلسۂ عام میں ہماری ثقافت اور ہماری ثقافتی قدروں کی مذمت کر گیا مگر ہمارے ملک کے دوسرے شہروں سے احتجاج کی کوئی صدا بلند نہ ہوئی۔ صرف یہی حقیقت اس امر کا غیر مبہم ثبوت ہے کہ ہمارے پڑھے لکھے طبقے کا ایک بڑا حصہ یا تو اپنی ثقافت سے بے خبر ہے یا اپنے ثقافتی معیاروں کے سلسلے میں احساس

کمتری میں مبتلا ہے اور مغربی ثقافت کو ثقافت کی معراج قرار دیتا ہے۔

ایک اور تقریب کا ذکر ہے۔ اعلیٰ درجے کے ایک ہوٹل میں لاہور کے چند دانشور چائے کے انتظار میں تھے جب ایک بزرگ نے ہوٹل کے اس کمرے کے دروازوں اور کھڑکیوں پر لٹکتے ہوئے پردوں کے نقش و نگار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ''ان پردوں کے نقش و نگار ہماری تہذیب کی نمائندگی نہیں کرتے۔ یہ مغرب سے آئے ہیں۔ ان کی نوعیت صلیبی ہے۔ ان پردوں کا کپڑا تو پاکستانی ہے اور اس کا ڈیزائن بھی یہیں پاکستان میں سوچا گیا ہے' مگر جو کچھ تیار ہوا ہے' جو کچھ ہمیں دکھائی دے رہا ہے وہ پاکستانی نہیں' انگلستانی ہے۔'' باتیں ہونے لگیں کہ یہ ''انگلستان'' ہمارے ذہنوں میں سے کب نکلے گا۔ اس کا اب تک ہمارے لاشعور تک پر تسلط کیوں قائم ہے اور ہم آزاد ہونے کے اتنے برس بعد بھی اپنے تہذیبی وجود کا سراغ کیوں نہیں پا سکے؟

چند برس پہلے تک تو ہم نے اپنے تہذیبی وجود کی تلاش ہی شروع نہیں کی تھی اور محض نعرہ بازی پر گزر بسر کر رہے تھے۔ قوم کی تہذیبی انفرادیت کو نمایاں کرنے کی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں ہوئی تھی اور اگر کوئی صاحب یا گروہ یہ کوشش کرتا بھی تھا تو افراط و تفریط کا شکار ہو جاتا تھا۔ وہ پاکستانی تہذیب کو دور حاضر کے حالات و مطالبات کے حوالے سے دیکھنا گوارا نہیں کرتا تھا۔ پاکستانی تہذیب کی انفرادیت کے تو بظاہر سب قائل تھے مگر اس انفرادیت کے خط و خال کی وضاحت کسی طرف سے نہیں ہوتی تھی۔ میں نے ان دنوں میں لکھا تھا کہ قومی وجود میں قومی تہذیب کی حیثیت وہی ہوتی ہے جو انسانی جسم مین چہرے کی ہے کہ ہم لوگوں کو صرف ان کے چہروں ہی سے پہچانتے ہیں۔ اگر ہماری قومی تہذیب کے خط و خال نمایاں نہیں تو بحیثیت قوم ہماری پہچان مشکل ہے اور ایک آزاد ملک کی حیثیت سے ہماری یہ خواہش ہونی چاہیے کہ ہم دنیا بھر کی آزاد قوموں کی برادری میں الگ پہچانے جا سکیں۔ ہمارے قومی چہرے کے نقوش نہ تو ''میک اپ'' کے شرمندۂ احسان ہوں اور نہ ایسے بگڑے ہوئے ہوں کہ ہمارے اصل خطوط ان

کے عقب میں چھپے بیٹھے ہوں۔

پاکستانی تہذیب اور کلچر کے نقوش اب بھی کما حقہ' واضح نہیں ہو پائے مگر اتنا ضرور ہوا ہے کہ اب ہم اس مسئلے پر بحثیں کرنے لگے ہیں۔ ظاہر ہے ان بحثوں کے پس منظر میں ہم سب کا یہ عزم نمایاں ہے کہ ہمیں اپنے تہذیبی خطوط طے کر لینے چاہئیں اور ایک بنیاد پر متفق ہونے کے بعد اس پر ایک عالی شان عمارت تعمیر کرنی چاہیے۔ کسی کا کہنا ہے کہ جب کسی مسئلے پر بہت سے لوگ گفتگو کیے بغیر متفق ہو جاتے ہیں تو وہ سب سادہ لوح ہیں۔ بحمداللہ ہم نے اس سادہ لوحی کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ پاکستان کے ذی شعور اور ذمہ دار شہریوں کی حیثیت سے پاکستانی تہذیب سے متعلق مختلف نظریات کا جائزہ لیا ہے' انہیں جانچا اور پرکھا ہے' اور اگرچہ اس دوران بعض اذہان غلط فہمیوں کے شکار بھی ہوئے ہیں' مگر بحیثیت مجموعی ہم نے ایک مثبت بحث میں اپنا اپنا حصہ ادا کیا ہے۔ کچھ سمجھا ہے' کچھ سمجھایا ہے' اور اب ہم نے اس منزل میں قدم رکھا ہے جب ہم سب کو نہیں تو ہماری اکثریت کو پاکستانی تہذیب کا ناک نقشہ واضح طور سے دکھائی دینے لگا ہے۔ وہ دن کچھ ایسا دور نہیں جب ہم پاکستانی تہذیب و ثقافت کے بارے میں کچھ کہنے یا لکھنے بیٹھیں گے تو ممکن ہے' اس کی جزئیات و تفاصیل کے معاملے میں ہم ایک دوسرے سے اختلاف کریں' مگر پاکستانی کلچر کا خاکہ ہم سب کے ذہنوں میں طے ہو گا۔ مثبت انداز کی بحث و تمحیص کی برکت سے ہم نے اب کسی متفقہ نتیجے تک پہنچنے کی فضا ضرور قائم کر لی ہے' مگر ابھی ہماری راہ میں بعض تعصّبات' بعض تنگ نظریاں' بعض بے معنی تصورات اور اپنے ہی ذہن کے تخلیق کیے ہوئے بعض خوف حائل ہیں۔ روح عصر کا بے رحم ہاتھ انہیں آہستہ آہستہ یقیناً ہموار کر دے گا' مگر ہم چاہیں تو روح عصر کی رفتار کو تیز کر سکتے ہیں اور اپنی تہذیبی انفرادیت کو اجاگر کرنے میں نصف صدی کا طویل عرصہ ضائع نہیں کر سکتے۔ اس مسئلے کو اب بہرصورت طے ہونا چاہیے تاکہ کم سے کم ہماری آئندہ نسلوں کو تو معلوم ہو کہ اس کی تہذیبی روایات کا نقطۂ آغاز کیا ہے اور ہماری تہذیب کی وہ کون سی خصوصیات ہیں جنہیں

نمایاں تر کر کے ہم اسے بھی مزید صیقل کر سکیں اور روح عصر کے ان تقاضوں کو بھی پورا کر سکیں، جنہیں پورا کئے بغیر تہذیبیں منجمد ہو کر رہ جاتی ہیں، اور اس کاروان ارتقا کی گرد کا ایک حصہ بن جاتی ہیں، جو کبھی ایک لمحے کو بھی نہیں رکا۔

پاکستانی تہذیب کا عنوان یقیناً تہذیب کا اسلامی تصور ہی ہے۔ یہ حقیقت مفکرین اور دانشوروں کے ہر مکتب فکر کو قبول کر لینی چاہیے اور مزید کچھ مدت تک کسی خود فریبی میں مبتلا رہ کر پاکستان کی انفرادی تہذیب کے مسئلے کو ابہام کے سپرد نہیں کئے رہنا چاہیے۔ البتہ اس حقیقت سے وابستہ ایک اور حقیقت سے آنکھیں چرانا بھی دانائی اور دور اندیشی نہیں ہے، اور وہ حقیقت یہ ہے کہ ہر تہذیب میں اس مٹی کی بو باس ضرور آجاتی ہے جہاں وہ تہذیب پیدا ہوئی، پھیلی، پنپی اور بدلی ہے (اور میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ تہذیب کا یہ تصور، اسلامی معیار تہذیب کے عین مطابق ہے) یہی وجہ ہے کہ جتنے بھی اسلامی ممالک اس وقت کرۂ ارض پر موجود ہیں، ان کی تہذیبیں اگر چند بنیادی امور میں مماثل ہیں تو بعض تفاصیل میں مختلف بھی ہیں۔ اسلامی ممالک کی تہذیبی مماثلتیں اگر بنیادی اسلامی عقائد کی پیداوار ہیں، تو ان تہذیبوں کے اختلافات ان ملکوں کی ہزاروں برس کی تاریخ، وہاں کے خاص معاشرے، خاص معیشی رشتوں، خاص آب و ہوا اور خاص مٹی کی تخلیق ہیں۔ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ آخر ہمیں اس خطۂ ارض کی معلومہ تاریخ سے اپنے کلچر کے تذکرے کا آغاز کرنے سے کیوں شرم محسوس ہوتی ہے جو آج پاکستان کہلاتا ہے، اور جو پاکستان کہلانے سے پہلے ویرانہ نہیں بلکہ یہاں کتنی ہی تہذیبیں ابھریں، پھیلیں، رکیں، سمٹیں اور خاک ہو گئیں۔ جب تہذیبیں مٹتی ہیں تو اپنی بعض نشانیاں ضرور چھوڑ جاتی ہیں۔ اس کے بعد ان تہذیبوں پر نئے عناصر اثر انداز ہوتے ہیں۔ پھر یہ عناصر بھی پرانے ہو کر جدید تر عناصر کی زد میں آجاتے ہیں۔ یوں بننے، بگڑنے کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج کسی بھی ملک کی تہذیب کو لے لیجئے۔ اس میں اس ملک کی قدیم ترین تہذیب کی جھلکیاں ضرور موجود ہوں گی۔

دیا سلائی ایک چراغ کو جلا کر خود بجھ جاتی ہے مگر چراغ کی لو میں وہ اپنے وجود کا اعلان کرتی رہتی ہے۔ آج ہم پاجامے' کرتے' شیروانی اور قراقلی ٹوپی کو اپنا قومی لباس کہتے ہیں اور اسے منفرد پاکستانی تہذیب کا مظہر قرار دیتے ہیں۔ اب اس لباس کی ایک ایک شق کی تاریخ کو کھنگالیے تو بعض صورتوں میں تو ان کا تعلق ہلاکو خان اور اس کے لشکریوں کے لباس تک پیدا ہو جائے گا۔ تو کیا ہم ان میں کسی کو محض اس لیے رد کر دیں کہ یہ تو ان مغول کی تہذیب کی نشانیاں ہیں جنھوں نے بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی؟ یقیناً یہ نقطۂ نظر تہذیبی انتشار کا نقطۂ نظر ہے۔ ہمیں دیکھنا تو صرف یہ ہے کہ وہ کونسا کلچر اور کونسی تہذیب ہے جسے ہم پاکستانی کہہ سکیں اور جو بعض صورتوں میں منفرد ہو۔ اس کلچر اور تہذیب کی مختلف شقوں کی تاریخ کو اگر ہم نے محض اس لیے رد کرنا شروع کر دیا کہ یہ تو دو تین ہزار سال پہلے کی تہذیبوں سے یہاں منتقل ہوئی ہیں' تو یہ یاد رکھئے کہ ہمارے لیے اس سے بڑا کوئی تہذیبی حادثہ ہو ہی نہیں سکتا۔

ہمیں یہ حقیقت بھی تسلیم کرنا ہو گی کہ مواصلات کی بے پناہ ترقی' مروجہ تہذیبوں کو ایک دوسرے سے متاثر ہونے کے عمل میں سے گزار رہی ہے۔ تہذیبیں اس ترقی یافتہ زمانے سے پہلے بھی متاثر کرتی اور متاثر ہوتی رہی ہیں' مگر اس دور میں یہ عمل سست رفتار تھا کہ یہ اثر آفرینی غیر محسوس ہوتی تھی۔ اس کی مثال کلی کے چٹکنے کی سی تھی یا اس سائے کی سی' جو دھوپ ڈھلنے کے ساتھ ساتھ بڑھتا رہتا ہے' مگر ہمیں اس کی یہ حرکت' جو کبھی نہیں رکتی' کبھی دکھائی نہیں دیتی۔ آج کی صورت حال اس کے بالکل برعکس ہے۔ آج کے زمانے میں جب فصلیں بھی مصنوعی طریقوں سے اگائی اور پکائی جانے لگی ہیں' انسانی ذہن بھی نت نئی تبدیلیوں سے دوچار ہے' اور یہ تبدیلیاں چپکے سے نہیں آتیں' باقاعدہ دھماکے کے ساتھ آتی ہیں۔ چنانچہ تہذیبوں کی اس باہمی اثر آفرینی سے ڈرنا نہیں چاہیے۔ البتہ ہر تہذیب کو خود اعتمادی کی قوت سے ضرور بہرہ ور ہونا چاہیے۔ وہ دوسری تہذیبوں کے اچھے اثرات یقیناً قبول کر لے' لیکن اپنی انفرادیت کا علم بلند رکھے۔ جو تہذیب کسی دوسری تہذیب کے مقابلے میں' احساس کمتری میں

مبتلا ہو گی' اسے ہمیشہ کے لیے مٹ جانے سے کوئی طاقت نہیں بچا سکتی۔ سو اپنی تہذیبی انفرادیت کو نمایاں کرنے کا یہ مقصد نہیں ہے کہ قوم اپنے گرد ایک حصار تعمیر کر لے اور دوسری تہذیبوں سے اس کے رشتے ختم ہو جائیں۔ مقصد محض یہ ہے کہ اس میں اتنی توانائی ہو کہ وہ اگر کسی تہذیب سے کچھ حاصل کرتی ہے تو اسے کچھ دے بھی سکے۔ تہذیبی خود اعتمادی کی یہ شان صرف اس طرح حاصل ہو سکتی ہے کہ ہماری تہذیبی انفرادیت نمایاں ہو اور ہماری نئی نسل کو معلوم ہو کہ ہم کس تہذیب کے وارث ہیں اور اس تہذیب میں کیا کیا خوبیاں اور دلآویزیاں ہیں۔

ثقافتی اور تہذیبی انفرادیت کا یہ مطلب بھی نہیں کہ ہم دنیا بھر کی دیگر ثقافتوں اور تہذیبوں سے نفرت کرنے لگیں۔ یہ نفرت کا طرز عمل تو فسطائی طرز عمل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم ایک منفرد تہذیب کے مالک ہو کر بھی دوسری قوموں کا احترام اور ان کی ثقافتی اور تہذیبی انفرادیتوں کا اعتراف کر سکتے ہیں۔ تہذیبیں تو ایک وسیع باغ میں پھولوں کی مثال ہیں (اور یہی مثال علاقائی ثقافتوں کی ہے) کہ ان کی صورتیں اور خوشبوئیں تو الگ الگ ہیں مگر ان سب کے مجموعے کا نام باغ ہے۔ تہذیب تو ہمیں تہذیبوں سے محبت کرنا سکھاتی ہے۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ تہذیب و ثقافت کا مفہوم محبت' امن اور خیرسگالی ہے بشرطیکہ دوسری تہذیبوں کے نزدیک بھی تہذیب کا یہی مفہوم ہو۔ مثال کے طور پر اگر امریکہ بھی ایٹمی ریکٹر لگاتا ہے اور ہم پاکستانی بھی ایٹمی ریکٹر لگاتے ہیں تو ہم دونوں کے درمیان تہذیبی اور ثقافتی فرق یہ ہے کہ ہم لوگ ایٹمی ریکٹر بھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر لگاتے ہیں! سوال یہ ہے کہ ہمارے اس عمل سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ ایک امریکی دانشور ہمیں مشورہ دینے تشریف لائیں کہ اگر مادی طور پر ترقی کرنا ہے تو مادی قدروں کو اہمیت دیجئے۔ اور تہذیب و ثقافت سے متعلق اپنے موجودہ تصورات کو ترک کر دیجئے۔ مادے کے وجود سے کوئی منکر نہیں۔ یہ بھی طے ہے کہ پوری کائنات مادے ہی کی کارفرمائی ہے۔ ہم یہ بھی مان لیتے ہیں کہ مادے کے اپنے خواص ہیں اور

انہی خواص کی برکت سے مادے میں حرکت ہے اور نئی سے نئی صورت پذیری کی قوت ہے۔ شاید کسی بھی قوم کے ثقافتی تصورات مادے کی مکمل نفی سے نہیں ابھرتے۔ جھگڑا صرف اس صورت میں پیدا ہوا ہے کہ مغرب مادے کو مطلق العنان مانتا ہے مگر ہم مادے کو ایک اور قوت کی۔ جو کائنات کی سب سے بڑی قوت ہے۔ تخلیق قرار دیتے ہیں اور ہمارا ایمان ہے کہ کائنات میں مادہ جو کچھ کر رہا ہے وہ ایک نظم سے کر رہا ہے اور یہ نظم ایک اعلیٰ ترین منتظم کے ہاتھ میں ہے۔ عقائد کی نوعیت کچھ بھی ہو، مگر کوئی بھی اس امر پر معترض نہیں ہو سکتا کہ ہم پہاڑوں کو کھود کر معدنیات تک پہنچیں، یا ایٹم کو توڑ کر اس سے قوت و حدت حاصل کریں، یا خلا میں ابھر کر ناپیدا کنار وسعتوں تک پھیلے ہوئے کروں کے اسرار معلوم کریں۔ چنانچہ اہل پاکستان کا عقیدہ ان کی ٹیکنیکل ترقی میں حائل نہیں ہے۔

پاکستان کی منفرد تہذیب و ثقافت کی تفاصیل طے کرنے کے لیے یہ جو ایک مختصر سا خاکہ عرض کیا گیا ہے، تو اس کا بنیادی محرک یہ حقیقت ہے کہ انسان تہذیبی لحاظ سے ہمیشہ آگے بڑھتا ہے تو اپنے ماضی کو ٹھکرا کر نہیں بڑھتا، اس کی خصوصیات کو ہمراہ لے کر بڑھتا ہے۔

(المعارف، اکتوبر ۱۹۶۸ء)